بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

آہ! الاستاذ الاجل

۸ر مارچ کے اخبار الجمعیۃ میں جب یہ خبر نظر سے گذری کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد اعزاز علی صاحب پر قلب کا دورہ پڑ گیا اور اس کی وجہ سے کچھ بے ہوشی رہی اور اب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دورے پڑ رہے ہیں تو اسی وقت ماتھا ٹھنکا کہ خدا خیر کرے۔ چٹان جب گرتی ہے تو مٹی کے تودہ کی طرح رِس رِس کے نہیں اچانک ہی گرتی ہے۔ چنانچہ دوسرے دن کا اخبار آیا تو دل کے دغدغہ کی تصدیق ہو گئی اور جس خبرِ وحشت اثر کو سننے کے لئے کان تیار نہ تھے اس کا یقین کرنا پڑا۔ یعنی حضرت الاستاذ راہی ملک بقا ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دار العلوم دیوبند شروع سے معدنِ لعل و گہر رہا ہے۔ کتنے ہی ذرے اس کی آغوش میں پلے اور بڑھے اور علم و فضل کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے۔ کتنے چاند اور ستارے اس کے آسمان پر طلوع ہوئے اور اپنی روشنی دکھا کر اسی دار العلوم کے دامن میں روپوش ہو گئے کیسے کیسے گہر ہائے آبدار اس کی خاکِ پاک سے اٹھے اور علم و عمل۔ تقویٰ و طہارت اور زہد و ورع کی بزم قدس کو جگمگا کر پھر خاکِ لحد میں جا ملے۔ آج وہ نہیں ہیں لیکن ان کی یادگاریں باقی ہیں خود ان کا وجود فنا ہو گیا لیکن ان کے کارنامے زندہ ہیں اور وہ گویا خود زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں۔

تلک آثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثار

دار العلوم دیوبند اگر شاندار عمارتوں۔ درسگاہوں۔ اقامت خانوں اور وسیع و فراخ دروازوں اور اونچی اونچی دیواروں کا نام نہیں بلکہ در حقیقت وہ انھیں نفوس قدسیہ کا ایک پیکرِ محسوس اور انھیں ارواحِ طیبہ کا ایک مظہرِ مادی و جسمانی ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ حضرت الاستاذ اس عمارت کے ایک اہم ستون اور اس بزم انس و قدس کے ایک لعلِ شب چراغ تھے۔ گذشتہ

نصف صدی میں اس درسگاہ کو تعلیم و تعلم کے اعتبار سے جو شہرت و عظمت حاصل رہی ہے اس میں ایک بڑا حصہ حضرت مرحوم کا تھا۔

مولانا مرحوم علم و عمل۔ اخلاق و فضائل اور مکارم و شمائل کے لحاظ سے محاسن و محامد کا ایک گلدستۂ صد رنگ تھے۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا نمایاں وصف و امتیاز جس میں کوئی ہم عصر شریک نہیں ہوسکتا تھا وہ یہ تھا کہ آپ "مثالی استاد" تھے۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم نہ کہیں دیکھا نہ سنا کہ گھنٹہ ابھی بجا ہی ہے کہ مولانا درس گاہ میں موجود ہیں۔ نہ ایک منٹ ادھر نہ ایک منٹ اُدھر، پھر جب تک درس گاہ میں ہیں کیا مجال کہ سوائے درس کے کوئی دوسری بات یا کوئی اور کام تو کریں، مسلسل پانچ پانچ اور چھ چھ گھنٹے سبق پڑھا رہے ہیں اور باضابطگی و باقاعدگی کی کیفیت یہ ہے کہ نہ ایک سبق کے گھنٹہ کا مداخل دوسرے سبق کے گھنٹہ میں ہوتا ہے نہ نشست بدلتی ہے نہ ٹیک لگاتے ہیں، نہ پان ہے نہ پانی، نہ ادھر اُدھر کی کوئی بات طالب علم نے عبارت پڑھی اور تقریر شروع ہوگئی۔ عبارت پڑھنے میں اگر طالب علم نے غلطی کی ہے یا دوران تقریر میں وہ بے توجہی کرتے ہوئے پکڑا گیا ہے تو البتہ درس کے ساتھ ساتھ دو چار کلمات زجر و توبیخ کے اور دو چار لفظ نصیحت و تعبیر کے ضرور فرما دیتے ہیں۔ گھنٹہ جونہی بجا اور اس کے بعد اب کوئی دوسرا سبق نہیں ہے تو سیدھے کتاب اٹھا اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے بظاہر دیکھنے میں ایسے خشک کہ درس کے درمیان شاید ہی کبھی کسی نے انھیں ہنستا دیکھا ہو، دیر آمیز اور کم آمیز اتنے کہ طالب علم کے ساتھ بے تکلف ہونا تو جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن درحقیقت بے حد شفیق اور حد درجہ غمگسار تھے، جس طالب علم کو شوقین، ذہین اور محنتی پاتے تھے۔ دل و جان سے اس کی خدمت کرکے خوشی محسوس کرتے تھے، خارج اوقات میں بھی اسے پڑھاتے، چھٹی کے دن بھی درس دیتے گویا ان کا بس نہ تھا کہ علم و فن کے نکات کسی طرح اسے گھول کر پلادیں پھر اپنے کام سے کام تھا نہ کسی سے کوئی غرض نہ واسطہ نہ اعزاز کی آرزو، نہ زیادہ تنخواہ کی طلب، ہمیشہ درویشانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کی دن اور رات کا ایک ایک لمحہ علم اور دین اور طلبا کی خدمت کے لئے وقف تھا۔ درس و تدریس کی ذمہ داری کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کبھی بغیر مطالعہ کے درس نہیں دیا درس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور تحشیہ و تشریح کا کام بھی برابر کرتے رہتے تھے چنانچہ آج کون ایسا عربی کا طالب علم یا استاذ ہے جس نے دیوان متنبی اور دیوان حماسہ پر مولانا کے حواشی اور ان کے مقدمات نہ پڑھے ہوں۔

مولانا کی شہرت کا آغاز بحیثیت عربی زبان کے ادیب کے ہوا۔ مفردات پر غیر معمولی عبور تھا، علم معانی و بیان۔ عروض و صرف و نحو اور لغت یہ مولانا کے خاص فنون تھے۔ دیوان حماسہ یا مقامات حریری

پڑھاتے وقت جب ان علوم کے مسائل پر تقریر کرتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک دریا ہے جو اپنی موجیں چاروں طرف پھیلاتا ہوا امڈا چلا آ رہا ہے اور جتنا وہ آگے بڑھتا ہے اس کی روانی اسی قدر تیز ہوتی جاتی ہے بعد میں فقہ کی طرف توجہ کی اور مسند افتا کی ذمہ داری بھی آپ کے ہی سپرد ہوئی تو اس میں بھی اپنا وہ رنگ دکھایا اور جمایا کہ شیخ الادب کی طرح شیخ الفقہ بھی ہو گئے، مولانا کا دار العلوم سے تدریسی تعلق کم و بیش نصف صدی رہا۔ اس مدت میں دار العلوم میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے لیکن مولانا کا جس سے جو تعلق تھا سر مو اس میں فرق نہیں آیا اور وہ اپنے مشاغلِ یومیہ میں کچھ اس طرح مصروف رہے کہ گویا انھیں خبر نہ تھی کہ ان کی درس گاہ اور کمرہ سے باہر کیا ہو رہا ہے۔ فروتنی اور انکساری اس غضب کی کہ اپنے خدامانِ خدام سے بھی اس طرح ملتے کہ گویا وہ خود خادم ہیں اور خادم مخدوم! ادھر کئی سال سے انابت الی اللہ کا غلبہ ہو گیا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی درس و مطالعہ کے معمولات میں فرق نہیں آنے دیا۔ انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ قدرت نے کام کرنے اور جفاکشی کی کس قدر غیر معمولی اور حیرت انگیز صلاحیت رکھی ہے، اخیر عمر میں بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے دو قدم چلنے میں سانس پھول جاتا تھا اور ہمارے قومی ادارے تو پنشن کے مفہوم و معنی سے ہی ناآشنا ہیں اس لئے اس ضعف اور کمزوری اور درازی سن کے باوجود مولانا اسی طرح اپنے فرائض منصبی انجام دیتے تھے طبیعت کے حد درجہ مرنج و مرنجان تھے۔ باتیں کم کرتے تھے۔ مگر کسی مشورہ کے وقت جب کبھی کوئی بات کہتے تھے تو پوری قوت کے ساتھ اور جما کر کہتے تھے۔ مزاج میں شرم و حیا اس قدر رچی اور بسی ہوئی تھی کہ اکثر درس میں بھی نگاہ نیچی رکھتے تھے تہذیب اور شائستگی کا یہ عالم تھا کہ بے تکلف سے بے تکلف مجمعِ احباب میں بھی کبھی کوئی نامناسب لفظ زبان پر نہیں آتا تھا چھوٹے بچوں اور طالب علموں کو بھی تم نہ کہتے۔ آپ سے خطاب کرتے تھے پھر ساتھ ہی نہایت بیدار مغز اور روشن خیال تھے۔ اخبارات کا مطالعہ پابندی سے کرتے تھے اور عالم اسلام کے حالات و کوائف سے پورے باخبر رہتے تھے۔ "برہان" کے شروع سے مستقل خریدار تھے اور اس کے نظرات سے لے کر تبصروں تک ایک ایک لفظ پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور جب کبھی کہیں کسی جگہ ایک لفظ بھی نامناسب نظر آیا فوراً خط لکھ کر اس پر متنبہ فرماتے تھے۔

پانچ سال کے بعد اسی سال کی ۲؍ جنوری کو بمبئی میں ملاقات ہوئی تو فرطِ شفقت و محبت سے فوراً سینہ سے لگا لیا اور پھر شکایت کی کہ آپ نے تو دیوبند کو بالکل ہی بھلا دیا۔ اب ادھر آتے بھی نہیں میں نے اپنی مجبوریوں کا ذکر کیا۔ آہ کیا خبر تھی کہ بس زندگی میں یہ آخری ملاقات ہے اور اب اس کے بعد یہ شفقت بھری نگاہیں پھر کبھی نہ ملیں گی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً وبرّد مضجعہٗ ونوّر مرقدہٗ۔